www.rahimia.org

بانی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوریؒ مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور
مدیر اعلیٰ: حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ لاہور

فروری 2018ء / جمادی الاولیٰ 1439ھ   جلد نمبر 10، شمارہ نمبر 2

قیمت: 20 روپے   سالانہ ممبر شپ: 200 روپے   تین سالہ ممبر شپ: 500 روپے

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

فہرست مضامین

- کتابِ مقدس کی حقانیت اور نتائج
- اسلامی اوصاف (آخری قسط)
- حضرت مُصعَب بن عُمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ
- پیغامِ پاکستان
- پاکستانی علما کی بالغ نظری پر سوالیہ نشان
- دنیا میں انسانی اعمال کی جزا و سزا (2)
- حضرت نانوتویؒ کا شوقِ علم
- کچھ امداد کرو صاحب!
- جوہری ہتھیاروں کے عدمِ پھیلاؤ پر عمل درآمد کا معاہدہ
- معاشرتی ترقی کا پروگرام
- تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے
- سچ اور جھوٹ کا شعور
- دین جبر نہیں، غور و فکر کی دعوت دیتا ہے
- برصغیر میں انسان کا معاشی مسئلہ موضوعِ سخن کیوں نہیں؟
- اقوامِ عالم میں سوشل اداروں کی تشکیل کا ارتقائی سفر
- الصدر السعید مولانا عبدالحئی بُڈھانویؒ
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ مسند نشین ثانی خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

فرمایا:

ایک مولوی صاحب نے حضرت والاؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ: حضرت! اگر شیخ کا وصال ہو جائے تو کسی اَور (دوسرے شیخ) سے بیعت کرنے کی ضرورت ہے؟ حضرت والاؒ نے فرمایا کہ: ''اپنے حضرت (عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوری) رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہوا ہے کہ: ''ضرورت نہیں، مگر اس وقت (کسی دوسرے شیخ سے بیعت ہونے کی) ضرورت ہے کہ سالک کے عالَمِ مثال سے مناسبت ہونے سے پہلے (اُس کے) شیخ کا وِصال ہو جائے۔''

آپؒ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ: ''لوگ ناواقفیت سے دل کے دھڑکنے یا جسم کے تھرتھرانے کو قلب کا جاری ہونا سمجھنے لگتے ہیں۔ حال آں کہ یہ کوئی چیز نہیں، بلکہ قلب کا جاری ہونا' ذکر کے آثار پیدا ہو جانے کا نام ہے۔ نورانیت سے کسی چمک کا نظر آنا مراد نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ نیک اعمال کی طرف رغبت ہونا' گویا دل میں نورانیت کا آنا ہے۔'' نیز فرمایا کہ: ''ایک درجے کا خلوص ہی ذکر کے آثار ہیں۔''

(مجلس ۱۶ر صفر المظفر ۱۳۶۶ھ/ 10 رجنوری 1947ء، مقام: ڈھڈیاں)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری، ص 326، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

رقومات کی ترسیل بنام ''ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور'' اکاؤنٹ نمبر 0010030341820010 الائیڈ بینک مزنگ چونگی برانچ لاہور، برانچ کوڈ 0533

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر حضرت مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

کتابِ مقدس کی حقانیت اور نتائج

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ ۛۚ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ (1-2:2)

(یہ کتاب ہے، جس میں کوئی بھی شک نہیں۔ پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔)

سورت البقرہ مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی پہلی سورت ہے۔ اس سورتِ مبارکہ میں مکہ معظّمہ میں نازل ہونے والی سورتوں کے احکامات کو ایک جامع ترتیب کے ساتھ منظّم کتاب کی صورت پیش کیا گیا ہے۔ اس سورت میں مکی سورتوں میں بیان کردہ اجمالی احکامات مثلاً جہاد اور حکومت سے متعلق امور کی تفصیلات کا مزید اضافہ کیا گیا ہے۔ خاص طور پر اس سورتِ مبارکہ میں بنی اسرائیل یعنی یہود و نصاریٰ کی خرابیوں کی نشان دہی کر کے اُن پر حجت اور دلیل قائم کی گئی ہے۔ جیسا کہ مکی سورتوں میں خصوصی طور پر قریش کی خرابیوں کی نشان دہی کر کے اُن پر پورے طور پر حجت قائم کی گئی تھی۔

الٓمّٓ یہ حروفِ مقطعات میں سے ہیں۔ ان کا مفہوم امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کچھ اس طرح سے بیان فرمایا ہے: ''عالم غیب سے اس دنیا میں نازل ہونے والا اللہ تعالیٰ کا ایسا صاف شفاف فیض، جو لوگوں میں پائے جانے والے علوم اور عادات (کی تہذیب و تربیت) کے لیے نازل ہوا، جس نے انسانوں کے دلوں کی سختی کو تذکیراتِ الٰہیہ (گزشتہ قوموں کی تاریخ، انعاماتِ الٰہی اور موت کے حالات کے تذکرے) سے توڑا، اس الٰہی فیض نے اُن کے فاسد اور غلط اَقوال اور اُن کے ناقص اَعمال کے بودے دلائل کی کمزوری ظاہر کی، جس نے نیکی اور بدی کی حدود اور دائرۂ کار کا تعین کیا۔'' (الفوز الکبیر)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ (یہ ایک کتاب ہے۔) ''الکتاب'' یعنی لکھی ہوئی ایک ایسی مقدس دستاویز ہے، جو حتمی طور پر انسانی فلاح و بہبود کے لیے یقینی پروگرام دیتی ہے۔ اس کے نتیجے میں مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی سورتوں کی تعلیمات اور حضور ﷺ کی صحبتِ مبارکہ سے صحابہ کرامؓ کی ایک عظیم تربیت یافتہ جماعت مکہ مکرمہ میں تیار ہو چکی تھی۔ اس جماعت میں اگلی آیات میں بیان کردہ اَوصاف کے حامل اعلیٰ درجے کے متقی افراد موجود تھے۔ اس طرح وہ کتاب جو لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی تھی، اس کی تعلیم صحابہ کرامؓ کے قلوب پر لکھی جا چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِیْمَانَ (22:58) (یہی وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے۔) قرآن حکیم سے پہلے یہود و نصاریٰ صرف تورات کو ''الکتاب'' سمجھتے تھے، جس نے کئی سو سال تک انسانی معاشروں میں الٰہی تعلیمات راسخ کی تھیں۔ اس آیتِ مبارکہ میں واضح کیا گیا ہے کہ اب اس دور میں قرآن حکیم ایک ایسی ''الکتاب'' ہے کہ جس میں انسانوں کی ایک عظیم جماعت میں الٰہی تعلیمات اور ایمانیات پر مبنی اعمال و اَخلاق کو خوب اچھے طریقے سے راسخ کرنے کی صلاحیت ہے۔ اس طرح اب یہ انسانی تعلیم و تربیت کے حوالے سے ایک مقدس دستاویز اور اہم ترین آئین اور قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔

لَا رَیْبَ ۛۚ فِیْهِ ۛۚ (اس کتاب میں کوئی شک نہیں۔) اس جملے میں قرآن حکیم کی حقانیت اور اس کی سچائی کی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ اور بتلایا گیا ہے کہ اس کی تعلیمات میں کوئی شک و شبہ کا شائبہ بھی نہیں۔ دنیا میں افکار و اَعمال میں جو تعلیمات یقینی، قطعی اور حق پر مبنی ہوں، اُس سے انسانی معاشرے بہت ہموار طریقے سے ترقی کرتے ہیں۔ جن علوم و اَفکار اور اَحکام و اَعمال میں شک اور بے یقینی کی کیفیت ہو، اُس سے معاشرے ناکام ہو جاتے ہیں۔ اس آیتِ مبارکہ میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس کتاب کی تعلیمات نے صحابہ کرامؓ پر مشتمل اس جماعت کے قلوب سے تمام شکوک و شبہات دور کر کے دلوں میں یقین کی ایسی قطعیت پیدا کر دی، جس کا مشاہدہ صحابہؓ کے فکر و عمل سے واضح ہو جاتا ہے۔ اس طرح یہ کتاب شک اور بے یقینی کی حالت سے قطعی طور پر پاک ہے۔ اس کی تعلیمات انسانی زندگی کے دوٹوک حقائق بیان کرتی ہے۔ پھر انھیں حقائق کی اَساس پر انسانی معاشرے کے مسائل حل کرنے کا صحیح طریقۂ کار اور پروگرام واضح کرتی ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ (پرہیزگاروں کے لیے ہدایت ہے۔) یہ مقدس کتاب تقویٰ کے حصول کی جدوجہد کرنے والوں کے لیے ہدایت کا باعث ہے۔ اس سے متقی جماعت تیار ہوتی ہے۔ جیسا کہ مکی سورتوں کی تعلیمات کے نتیجے میں صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی عظیم متقی جماعت تیار ہوئی، جس میں ایمانیات کی بہت اعلیٰ حالت، اَخلاق اور کردار کا بہت اعلیٰ نمونہ، دین کی تعلیمات کے پھیلاؤ کا بہت اعلیٰ جذبہ پیدا ہوا۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے عدل و احسان کو تقویٰ کے مفہوم میں شامل کیا ہے۔ گویا اس کتاب کے نتیجے میں ایسی جماعت تیار ہوتی ہے، جو انسانیت کے لیے عدل و انصاف قائم کرنے اور اللہ کی ذات کے ساتھ اِحسانی کیفیت رکھتی ہے۔

اس سورتِ مبارکہ کے نازل ہونے سے پہلے مدینہ منورہ میں ہی اس جماعت کے ایک اعلیٰ ترین نمونے کے فرد حضرت مُصعَب بن عُمیرؓ کی وہ بہترین جدوجہد اور اعلیٰ کدوکاوش ہے، جو انھوں نے مدینے میں دینی دعوت اور تربیت کے ذریعے سے پیدا کی تھی۔ چناں چہ اُن کی صرف ایک سال کی جدوجہد سے مدینے کے قبائل' بالخصوص اَوس اور خزرج کے لوگ ایک بڑے وفد کی صورت میں بیعتِ عقبہ ثانیہ کے لیے حضور ﷺ کی خدمت میں مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تھے۔ گویا اس کتاب کی تعلیم و تربیت نے انسانوں کو متقی بنانے کا ایسا راستہ واضح کیا، جس کا مشاہدہ اور تجربہ مدینہ والوں نے خوب اچھی طرح کر لیا تھا۔ اس طرح یہ کتاب انسانوں کے فکر و عمل میں پیدا شدہ جمود کو توڑنے، اُن کے غلط افکار و نظریات کا خاتمہ کرنے اور اُن کے زنگ آلود دلوں کو صاف کر کے اُن پر نورِ ایمان لکھنے کی راہ واضح کرتی ہے۔ اس کتاب کی تعلیمات کی اَساس پر انسانوں میں عدل و انصاف قائم کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ یہ کتاب اعلیٰ اَخلاق و کردار پیدا کرنے میں صحابہؓ کی طرح کی تربیت یافتہ متقی جماعت تیار کرنے کا راستہ دکھاتی ہے۔ صحابہ کرامؓ کا یہ ایمان اور غلبۂ دین کے لیے اُن کی یہ جدوجہد قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے ایک اعلیٰ نمونے اور اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ متقی جماعت کے بنیادی اوصاف اور اَخلاق و اَعمال اگلی آیات میں بیان کیے جا رہے ہیں۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

تشریح: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

اسلامی اوصاف (آخری قسط)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ أَیُّ الْإِسْلَامِ خَیْرٌ؟ قَالَ: ”تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ.“ (صحیح بخاری، حدیث نمبر 12)

(حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ ایک شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ”اسلام کی کون سی خصلت اہم ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ”کھانا کھلانا اور (ہر ایک کو) سلام کرنا، اس کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔“)

حدیث کے دوسرے حصے میں رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: اسلام کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ آپ جب کسی کو ملیں تو اسے سلام کریں، خواہ اس کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں۔ تاکید کے ساتھ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اپنے درمیان سلام کو رواج دو۔

اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے۔ اس کی تعلیمات میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ انسانوں کا باہمی تعلق دوسروں کے لیے سلامتی کا باعث ہو۔ جب انسان کسی دوسرے کو سلام کہتا ہے تو وہ اسے اس بات کا یقین دلاتا ہے کہ آپ کی جان، مال اور آبرو کو مجھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دوسرے کا اعتماد جیتنے، دل کے میل اور اختلافات کو ختم کرنے کے لیے یہ چھوٹا سا جملہ جتنا مفید ہے، شاید ہی اتنا مفید کوئی اَور مختصر جملہ ہو۔

حدیث میں ملاقات کا آغاز دعائیہ کلمات کے ساتھ کرنے کا کہہ کر مسلمان کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ اسے سراپا خیر اور سلامتی ہونا چاہیے۔ دوسرے انسانوں سے اس کا تعلق جبر و استحصال، ظلم و زیادتی، خوف و دہشت اور دوسروں کی عزتوں کو خطرات میں ڈالنے یا پامال کرنے سے پاک ہونا چاہیے۔ سلامتی کے یہ بول محض دکھاوے اور بول چال کی حد تک نہیں ہیں، یہ دین اسلام کا نظریہ ہے۔ اور یہ اس بات کی تربیت ہے کہ آپ ایک دوسرے کو ملنے کے بعد جب کوئی باہمی معاہدہ یا لین دین کریں تو وہ اس سلام کی روشنی میں ہونا چاہیے۔ یہ درست نہیں کہ آغاز سلامتی کی دعا کے ساتھ ہو اور انجام ظلم و استحصال کے ساتھ ہو۔

حدیث میں یہ بھی تلقین کی گئی ہے کہ سامنے والے کو آپ نہ بھی جانتے ہوں تب بھی سلام کیجیے۔ نہ جاننے والوں کو سلام کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ آپس کی ناواقفیت کا حجاب اس مبارک جملے سے خود بہ خود اُٹھ جاتا ہے اور باہمی اعتماد کی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ تاہم ہر نئے ملنے والے کا کردار و عمل جانے بغیر اس پر اندھا اعتماد نقصان کا باعث بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا دوسری احادیث کی روشنی میں یہ ضروری ہے کہ نئے ملنے والے کو معقول اور مناسب طریقے سے پرکھ لیا جائے، لیکن ایسا رویہ جو غلط فہمیوں کو جنم دے، دوسرے کے دل میں بدگمانی، خوف اور ہیبت طاری ہو جائے، اسلام کی عمدہ اخلاقیات کے خلاف ہے۔ اس طرح کی منفی باتوں سے بچنے کے لیے یہ بہترین طریقہ ہے کہ آپ باہمی میل جول میں سلام کو رواج دیں اور عقل و شعور کی بنیاد پر تعلق قائم کریں۔

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت مُصعَب بن عُمیر

رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ

صاحبِ فضیلت، بلند ہمت، اجل مہاجرین سابقین الاوّلین صحابہ میں سے ہیں۔ مکہ کے خوش عیش جوانوں میں سے تھے۔ دارِ ارقم میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ قبولِ اسلام پر گھریلو قید میں ڈال دیا گیا۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر مکہ کی طرف واپس آ گئے۔ ایک روز حضرت مُصعَب بن عُمیرؓ کی طرف دیکھ کر حضورؐ نے ارشاد فرمایا: ”اس شخص کو دیکھو جس کے دل کو اللہ نے (اس وجہ سے) منور کر دیا ہے (کہ اس نے اللہ کے لیے قربانی دی)۔ میں نے دیکھا کہ یہ شخص اپنے والدین کے بہترین کھانے کھاتا اور نفیس مشروبات پیتا تھا۔“ مصائب سے گزر کر کندن ہوئے اور صحبتِ نبویؐ نے حکمت و شعور سے آراستہ کر دیا۔ اور پھر ان کے ذمے دو بنیادی اور اہم کام لگائے: (۱) علم و معرفت کی آبیاری (۲) وحدت و اجتماعیت کی اہمیت

مکہ میں رہتے ہوئے ہی آپؐ نے آئندہ مرکزِ اسلام بننے والے مدینہ کے لیے دو بنیادی کام طے کیے تھے۔ آپؐ نے بیعتِ عقبہ اولیٰ (جو ۱۲ نبوی کے حج کے موقع پر ہوئی تھی) کے بعد اپنے فداکار صحابی حضرت مُصعَب بن عُمیرؓ کو معلّم و مدرّس بنا کر تعلیمی و تربیتی اور دعوتی مشن کی تکمیل کے لیے مدینہ بھیجا تھا۔ آپؓ نے مدینہ پہنچ کر اسعد بن زرارہؓ کے مکان پر قیام کیا اور اسی مکان کو مرکزِ دعوت بنا کر تبلیغ اسلام کے کام میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ جب آپؓ نے قرآن و شریعت کی تعلیم اور اسلام کی دعوت شروع کی تو انصار کے اکثر آدمی مسلمان ہو گئے۔

حضرت مُصعَب بن عُمیرؓ وہ صحابی ہیں کہ بدر و اُحد میں رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا انھیں کے ہاتھ میں تھا۔ وہ جنگِ اُحد کے دن شہید ہوئے۔ آپؓ صرف ایک دھاری دار چادر ہی چھوڑ کر گئے تھے اور وہ اتنی چھوٹی تھی کہ جب اس سے ان کا سر ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور جب اس سے ان کے پاؤں ڈھانکے جاتے تو سر کھل جاتا۔ آخر حضورؐ نے فرمایا: ”اس چادر سے ان کا سر ڈھانک دو اور ان کے پاؤں پر اِذخر گھاس ڈال دو۔“

الغرض! حضرت مُصعَب بن عُمیرؓ نے اس مرکز (مدینہ) میں اپنی بے لوث تعلیمی، تربیتی اور پُر حکمت دعوتی محنت سے ایک انقلابی لہر پیدا کر دی تھی۔ اس انتظام کے ذریعے آپؐ نے یہ پیغام دیا تھا کہ یہ اُمت اگر علم، معرفت، دین کی سمجھ اور قرآن و سنت سے دور رہے گی، ناواقف رہے گی تو اپنا وجود، اپنا تشخص اپنا امتیاز اور وقار کھو بیٹھے گی اور مستقبل کے کردار سے محروم رہے گی۔ گویا اجتماعی جدوجہد کے اوّلین مراحل عدمِ تشدد اور مربوط منصوبہ بندی کے تحت ہی تکمیل پذیر ہوتے ہیں۔

آج ہمارے نوجوان کو صحابہ کرامؓ کی اس سیرت کے مطالعے کی انتہائی زیادہ ضرورت ہے کہ وہ بھی اسی طرح کے بلند شعور کے مراکز پیدا کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

www.rahimia.org

شذرات

"پیغامِ پاکستان"

(ہر چہ دانا کند، کند ناداں، لیک بعد از خرابیٔ بسیار)

پاکستان کے مختلف مکاتبِ فکر اور وِفاقوں سے تعلق رکھنے والے علما کی طرف سے دیے گئے ایک فتوے کے اجرا کی تقریبِ رونمائی 16 رجنوری 2018ء بروز منگل کو ایوانِ صدر اسلام آباد میں منعقد ہوئی۔ اس اجتماعی طور پر دیے گئے متفقہ فتوے میں خودکش حملوں، شدت پسندی اور خون ریزی کو فساد فی الارض قرار دیتے ہوئے ریاست کے ایسے عناصر کے خلاف کارروائی کرنے کے ریاست کے شرعی حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور اس فتوے کو "پیغامِ پاکستان" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ فتوے میں کہا گیا ہے کہ جہاد کا وہ پہلو جس میں جنگ اور قتال شامل ہیں، صرف اسلامی ریاست شروع کر سکتی ہے، کسی فرد یا گروہ کے ایسے اقدامات ریاست کے خلاف بغاوت تصور کیے جائیں گے۔ جو اسلامی تعلیمات کی رُو سے بھی سنگین اور قابلِ تعزیر جرم ہے۔

فارسی میں ایک ضرب المثل ہے کہ "ہر چہ دانا کند، کند ناداں، لیک بعد از خرابیٔ بسیار" جس کے معنی یہ ہیں کہ نادان آخر وہی کرتا ہے جو عقل مند کرتا ہے، لیکن بڑی خرابی اور تکلیف اُٹھانے کے بعد۔ اس فتوے پر دستخط کرنے والے بہت سے وہ علما بھی ہیں، جنھوں نے افغان جہاد پر بھی متفقہ فتویٰ صادر کیا تھا اور اسے عالمِ اسلام کا متفقہ مؤقف قرار دیتے ہوئے وقت کا اہم ترین تقاضا قرار دیا تھا۔ اس میں وہ علما بھی شامل ہیں جو اپنے مدارس سے افغان جہاد کے لیے نرسریاں تیار کرتے رہے ہیں، جو بعد ازاں پاکستان کے اداروں کے لیے خطرہ ثابت ہوئیں۔ ریاست کے قومی اداروں نے یہ پالیسی بنا کر پاکستان کے علما کو بھی اس دلدل سے نکلنے میں مدد فراہم کی ہے، لیکن چلیں خرابیٔ بسیار کے بعد ہی سہی، اگر وہ صحیح راستے پر آ گئے ہیں تو یہ بھی غنیمت ہے، لیکن علمائے حق کی شان تو یہ ہے کہ ان کی رائے پر قوم اپنے بیانیے تشکیل دیتی ہیں۔

اس خطے میں علمائے حق نے میثاقِ مدینہ کو پہلی جدید ریاست قرار دیتے ہوئے جس میں آپ ﷺ نے دیگر اقوام کو بھی شریک کر کے ثابت کیا کہ ریاست کا تعلق صرف مسلمانوں سے نہیں ہے اور یہ کہ ریاستِ مدینہ مختلف گروہوں پر مبنی ہے، برعظیم کے علمائے حق نے اسی مدینے کی ریاست کو ماڈل قرار دیتے ہوئے قومی ریاستوں میں سب طبقوں کے کردار کو تسلیم کرتے ہوئے ریاست کے قومی تصور کو اُجاگر کیا۔

پاکستان میں افغان جہاد کے فتوے پر اپنا الگ مؤقف رکھنے والے باشعور حلقے کے سرخیل حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی اصابتِ رائے کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ انھوں نے اپنے ملک میں تیار ہوتے افغان جہاد کے ایندھن کو پاکستان کی سلامتی کے لیے بہت بڑا خطرہ قرار دیا تھا، جس کا آج ہم مشاہدہ کر رہے ہیں اور ٹھوکریں کھانے کے بعد درست راستے کے تعین کی کوشش کر رہے ہیں۔

پاکستانی علما کی بالغ نظری پر سوالیہ نشان

پنجاب کے ایک سجادہ نشین نے حکومت کو ملک میں نفاذِ شریعت کے لیے سات دن کی ڈیڈ لائن دی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ حکومت کو ملک میں نفاذِ شریعت کے لیے سات دن کی مہلت دیتے ہیں۔ بہ صورتِ دیگر ملک بھر کے مشائخ اور مریدوں کے ساتھ سڑکوں پر نکلیں گے اور پورا پنجاب بند کر دیں گے۔ اس سے قبل گزشتہ ماہ دفاعِ پاکستان کونسل کے زیرِ اہتمام کُل جماعتی مجلس مشاورت سے سیاسی و مذہبی جماعتوں کے قائدین، مختلف ملکوں کے سفیروں اور دانش ور حضرات نے بھی خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ مسلم حکمران بیت المقدس کی آزادی کے لیے اسرائیل اور امریکا کے خلاف اعلانِ جہاد کریں۔

پاکستان میں نفاذِ اسلام پر کوئی دو رائے نہیں ہو سکتیں۔ اس قوم کی ترقی اور نجات کا یقینی اور آخری راستہ اسلام کے عادلانہ نظام کا قیام ہے، لیکن ہمارے علما جس طرح اس کے نفاذ کے نام پر جگ ہنسائی کا سبب بنتے اور اسلام کے نفاذ کے دھمکی نما مطالبات کے ذریعے حکمرانوں کو ڈرا دھمکا کر اپنے سیاسی مفادات حاصل کر لیتے ہیں، یہ رویہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے بہت ہی تشویش ناک ہے۔ پھر اس کے نفاذ کے مطالبے میں جس غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، وہ بہ ذاتِ خود اسلام کے ساتھ ایک سنگین مذاق سے کم نہیں ہے۔ مثلاً سات دنوں میں فوری اسلام کا نفاذ، وہ بھی ان حکمرانوں سے، جن سے یہ استعفیٰ مانگ رہے تھے۔ جب انھوں نے استعفیٰ نہیں دیا تو کہا اسلام نافذ کرو، ورنہ ہم پورا ملک بند کروا دیں گے۔ بھائی! جو حکمران آپ کے کہنے پر استعفیٰ نہیں دے رہے، وہ تمھارے کہنے پر اسلام کیسے نافذ کریں گے؟ اور پھر ایک ہفتے میں اسلام کیسے نافذ ہوگا؟ کیا اسلام کسی تقریب کے انعقاد کا نام ہے؟ اور پھر ایسے حکمران ٹولے سے اسلام کے نفاذ کا مطالبہ جو اسلام کے نظام کی ابجد سے بھی واقف نہیں۔ ایک ہفتے کی ڈیڈ لائن اور ایسے طبقے سے اسلام کے نفاذ کا مطالبہ، یہ دونوں چیزیں ہمارے علما کی اسلامی نظام اور اس کے نفاذ سے عدمِ دلچسپی، غیر ذمہ داری اور غیر سنجیدگی کو ظاہر کرتی ہیں۔ ایسے ہی یہ مطالبہ ہے کہ مسلمان حکمران اسرائیل اور امریکا کے خلاف جہاد کا اعلان کریں۔ بھائی! اس جہاد کی کیا شکل ہوگی؟ وہ کیسے کیا جائے گا؟ اور موجودہ عالمی قوانین اور ریاستوں کے درمیان استوار تعلقات کی موجودگی میں اس کی عملی شکل کیا ہوگی؟ اسلام کے کسی رُکن کی بے وُقعتی اس سے زیادہ اَور کس طرح کی جا رہی ہے کہ بے محل اور جا بہ جا اس کے تقاضے پورے کیے بغیر نااہل حکمرانوں سے اس کے نفاذ کے مطالبے کر کر کے اسے بے توقیر کیا جاتا رہا ہے۔ یہ سب اس کے سوا کچھ نہیں کہ جس طبقے نے ایسی باتوں اور سرگرمیوں کو اپنا دھندہ بنا لیا ہے، وہ عوام کو دھوکے میں رکھ کر اپنا مطلب نکالتے رہتے ہیں۔ اب عوام کو کسی ایسے مطالبے پر کان دھرنے سے پہلے 1970ء کی دہائی کی تحریکِ نظامِ مصطفیٰ اور ماضی قریب میں صوفی محمد کی تحریکِ نفاذِ شریعتِ محمدی اور لال مسجد وغیرہ وغیرہ کے انجام کو سامنے رکھنا چاہیے۔ (مدیر)

www.rahimia.org

دنیا میں انسانی اعمال کی جزا و سزا 2

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّۃُ اللّٰہ البالغہ'' میں فرماتے ہیں:

انفرادی جزا و سزا کا قانون

''بسا اوقات (کائنات میں موجود تمام اسباب پر مشتمل) نظام کا حکم اور فیصلہ انسانی اَعمال سے پیدا ہونے والے نتائج سے زیادہ مضبوط اور طاقت ور ہوتا ہے۔ اس لیے کسی فاسق فاجر انسان کو (بداَعمالیوں کی سزا دینے میں) ڈھیل دی جاتی ہے۔ اور نیک آدمی کو بہ ظاہر تکلیف اور تنگی میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ اُس کی اس تکلیف کو اُس کی حیوانیت کو توڑنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور یہ بات اُسے سمجھا دی جاتی ہے تو وہ اُس پر راضی ہو جاتا ہے۔ بالکل اُسی طرح جیسا کہ اپنے فائدے کے لیے کوئی انسان کڑوی دوا بڑی رغبت سے پیتا ہے۔ اور اسی بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں بیان فرمایا ہے: ''مؤمن کی مثال نرم ٹہنی کی طرح ہے کہ ہوائیں اُسے اِدھر سے اُدھر موڑتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنی مقررہ مدت تک پہنچا جاتا ہے۔ اور منافق کی مثال صنوبر کے اس سخت درخت کی طرح ہے کہ تیز ہواؤں کے باوجود وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا۔ یہاں تک کہ ایک تیز آندھی ایک ہی دفعہ اُسے جڑ سے اُکھیڑ کر رکھ دیتی ہے۔'' (مشکوٰۃ، حدیث 1541) اسی طرح ایک اَور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کو مرض وغیرہ سے کوئی تکلیف پہنچے، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اُس کے ذریعے سے اُس کے جسم سے گناہ ایسے جھاڑ دیتا ہے، جیسے درخت کے پتے درخت سے جھڑتے ہیں۔'' (مشکوٰۃ، حدیث 1538)

ملکوں اور قوموں کی اجتماعی جزا و سزا

بسا اوقات کوئی ایسا ملک ہوتا ہے، جس پر شیطانی اور طاغوتی قوتوں کی اطاعت کرنے کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح اُس ملک کے رہنے والے لوگ بدمست جانوروں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں۔ اُن کی سزا کا کچھ حصہ بسا اوقات ایک مدت تک روک لیا جاتا ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ''ہم نے کسی بستی میں پیغمبر نہیں بھیجا، مگر وہاں کے لوگوں کو سختی اور تکلیف نے پکڑا، تا کہ وہ عاجزی کریں۔ پھر ہم نے (کچھ عرصے کے لیے) بُرائی کی جگہ بھلائی بدل دی۔ یہاں تک کہ وہ زیادہ (گناہوں پر جری) ہو گئے۔ اور کہنے لگے کہ ہمارے باپ دادوں کو بھی (اسی طرح) تکلیف اور خوشی کا وقت آیا تھا۔ پھر ہم نے انھیں اچانک پکڑا اور ان کو خبر ہی نہ ہوئی۔ اور اگر بستیوں والے ایمان لے آتے اور (انجام سے) ڈرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے نعمتوں کے دروازے کھول دیتے، لیکن انھوں نے جھٹلایا۔ پھر ہم نے انھیں ان کے اعمال کے سبب سے پکڑ لیا۔'' (7:94-96)

خلاصہ یہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے سزا و جزا کا معاملہ اس کے مشابہ ہے، جیسا کہ کوئی حاکمِ وقت اس وقت (دنیا میں) سزا و جزا دینے کے لیے فارغ نہ ہو۔ پس جب قیامت کا دن آئے گا تو گویا کہ وہ سزا و جزا کے لیے بالکل فارغ ہوگا۔ اسی کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اشارہ کیا گیا ہے کہ:

''اے جن و انس! ہم تمھارے لیے جلد ہی فارغ ہو جائیں گے۔'' (55:31)

دنیا میں جزا و سزا کی کل اقسام

دنیا میں یہ جزا و سزا درج ذیل چند صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے:

(1) بسا اوقات انسانی نفس میں خوشی اور اطمینان کی کیفیت پیدا ہوتی ہے یا بندش اور گھبراہٹ کی حالت طاری ہوتی ہے۔

(2) بسا اوقات انسان کے بدن میں امراض کی طرح غموں کا ہجوم اور خوف کی حالت طاری ہوتی ہے۔ اور اسی سلسلے کا وہ معاملہ ہے جو نبوت سے پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر طاری ہوا کہ جب آپؐ کے ستر سے کپڑا اُتارا گیا تو آپؐ بے ہوش ہو گئے تھے۔ (بچپن میں حضورؐ خانہ کعبہ کی تعمیر کے لیے پتھر لے کر آ رہے تھے۔ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے آپؐ کی چادر اُتار کر آپؐ کے کندھے پر رکھ دی، تا کہ کندھا زخمی نہ ہو۔ جیسے ہی آپؐ کا ستر کھلا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے اور اپنا ستر ڈھانپنے کے لیے چادر مانگتے رہے۔ چناں چہ آپؐ کا ستر ڈھانپا گیا تو آپؐ کو ہوش آیا۔ از مترجم) (صحیح بخاری، باب فضل مکہ، کتاب الحج، حدیث 1582)

(3) بسا اوقات جزا و سزا کا تعلق انسان کے مال کی کمی یا زیادتی اور اہل خانہ کے نفع و نقصان سے ہوتا ہے۔

(4) بسا اوقات انسانوں اور فرشتوں اور جانوروں کو الہام کیا جاتا ہے کہ (اچھے اعمال کرنے والے فلاں آدمی کے ساتھ) اچھا سلوک کریں، یا (فلاں بُرے آدمی کے ساتھ) بُرا سلوک کریں۔

(5) بسا اوقات اُس انسان کو الہامات یا اِحــالات (حالات کے تغیر و تبدل) کے ذریعے سے بھلائی یا بُرائی کے قریب کر دیا جاتا ہے۔

اوپر جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے، جو آدمی ہماری ہر بات کو اپنے مقام پر رکھ کر اچھی طرح سمجھ جائے تو وہ بہت سے مشکل سوالات سے راحت پا جائے گا۔ مثلاً یہ کہ وہ احادیث جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نیکی اور بھلائی رزق کی زیادتی کا سبب بنتی ہیں اور فسق و فجور رزق کی کمی کا سبب بنتی ہیں۔ (ان احادیث میں نیکی اور بدی کی اصل خاصیت اور حقیقی نتائج بیان کیے گئے ہیں۔ از مترجم) جب کہ وہ احادیث جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ فاسق و فاجر لوگوں کو دنیا میں ہی اُن کی نیکیوں کا اچھا بدلہ مل جاتا ہے۔ اور یہ کہ بلا اور مصیبتوں میں وہ لوگ اکثر مبتلا ہوتے ہیں جو انبیا علیہم السلام کے زیادہ قریب اور زیادہ نیک ہوتے ہیں۔ (ان احادیث میں بیان کردہ امور کا تعلق اس سے ہے کہ جب سزا و جزا کے اَسباب میں تعارض ہو جاتا ہے اور مجموعی نظام کا حکم فرد کے انفرادی نظام پر غالب آ جاتا ہے، جیسا کہ پیچھے شاہ صاحبؒ نے بیان کیا ہے۔ از مترجم)

(باب الجزاء علی الأعمال فی الدّنیا، المبحث الثّانی)

www.rahimia.org

مفتی عبدالقدیر، چشتیاں

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا شوقِ علم

حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کا قول نقل کیا ہے کہ: ''تفقّهوا قبل أن تسوّدوا.'' (باب الاغتباط فی العلم، ج1) (کسی قوم کا رہنما بننے سے پہلے تفقُّہ (دین میں بصیرت) حاصل کرو!) اس کی تشریح میں فرمایا: ''و بعد أن تسوّدوا.'' (اور علم وشعور تو رہنما بن جانے کے بعد بھی حاصل کرو!)

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے بڑی عمر میں بھی علم حاصل کیا۔ ہمارے اکابر شوقِ علم میں حضراتِ صحابہؓ کے مصداق تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ باوجود یہ کہ علم میں امامت کے درجے پر فائز تھے، پھر بھی شوقِ علم میں ایک معمر یمنی عالم کے سامنے سندِ حدیث کے لیے درخواست کرتے ہیں۔ امیر شاہ خان صاحب نے فرمایا کہ:

''مولانا نانوتویؒ سفرِ حج میں تھے۔ اس سفر میں ان کا جہاز یمن کی ایک بندرگاہ پر ٹھہر گیا۔ مولاناؒ کو معلوم ہوا کہ یہاں جہاز چندروز قیام کرے گا۔ جب آپؒ کو معلوم ہوا کہ یہاں سے قریب کسی بستی میں ایک بہت معمر عالم اور مُحدِّث رہتے ہیں۔ اس لیے آپؒ جہاز سے اُتر کر اُن کی خدمت میں روانہ ہوگئے۔ جب ان کی خدمت میں پہنچے اور گفتگو ہوئی تو مولاناؒ کو ان کی شہرتِ علم کی تصدیق ہوگئی اور آپؒ نے ان سے حدیث کی سند کی درخواست کی۔ ان عالم نے دریافت کیا کہ تم نے کس سے حدیث پڑھی ہے؟ مولانا (نانوتویؒ) نے فرمایا کہ شاہ عبدالغنی صاحبؒ سے۔ وہ عالم حضرت شاہ عبدالغنیؒ صاحب کو نہ جانتے تھے۔ اس لیے دریافت کیا کہ شاہ عبدالغنیؒ نے کس سے پڑھی؟ مولاناؒ نے فرمایا: شاہ اسحاقؒ صاحب سے۔ وہ شاہ اسحاقؒ سے بھی واقف نہ تھے۔ اس لیے پوچھا کہ شاہ اسحاق صاحبؒ نے کس سے پڑھی ہے؟ مولاناؒ نے فرمایا شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے۔ وہ شاہ عبدالعزیزؒ سے واقف تھے۔ جب ان کا نام سنا تو فرمایا کہ اب میں تم کو سند دے دوں گا۔ اور (انھوں نے حضرت نانوتویؒ سے) یہ بھی فرمایا کہ:

''شاہ ولی اللہؒ طوبیٰ کا درخت ہے۔ پس جس طرح جہاں جہاں طوبیٰ کی شاخیں ہیں، وہاں جنت ہے اور جہاں اس کی شاخیں نہیں ہیں، وہاں جنت نہیں ہے۔ یوں ہی جہاں شاہ ولی اللہؒ کا سلسلہ ہے، وہاں جنت ہے۔ اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں، وہاں جنت نہیں۔''

اس کے بعد انھوں نے مولانا (نانوتویؒ) کو حدیث کی سند دے دی۔ خاں صاحب نے فرمایا کہ یہ قصہ میں نے خود مولانا نانوتویؒ سے سنا ہے۔ (ارواحِ ثلاثہ، ص159)

اس واقعے سے درجِ ذیل باتیں معلوم ہوئیں:

1۔ حضرت نانوتویؒ یمنی عالم سے سندِ حدیث حاصل کر کے اپنی سند عالی کرتے ہیں۔

2۔ اس واقعے سے ولی اللّٰہی خانوادہ کی عظمت معلوم ہوتی ہے کہ یہ عالم بھی ان کے ہی فیض یافتہ ہیں۔

3۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فکر وعمل کو ''طوبیٰ'' یعنی جنت کا درخت قرار دے کر ان کے مسلک کی حقانیت پر مہرِ تصدیق ثبت فرماتے ہیں۔

محمد کاشف شریف، راولپنڈی

کچھ امداد کرو صاحب!

سالِ نو کے آغاز میں ہی جناب ٹرمپ اعظم کے ایک بیان نے پاکستانیوں کی عزتِ نفس کو چھیڑ کر قومی شعور کی حِس کو جھنجوڑ ڈالا۔ کیا بڑا کیا چھوٹا، کیا امیر کیا غریب، کیا پڑھا لکھا کیا اَن پڑھ، سب ہی نکل کھڑے ہوئے امریکا بہادر کو صلاواتیں سنانے، اور یہ باور کروانے کہ اُس جہنمی و ناہنجار نے کس قوم کو للکارا ہے۔ معاملے میں ڈرامائی موڑ اُس وقت آیا، جب ہماری مقتدرہ کے نمائندے بھی اس کارِ خیر میں حصہ ڈالنے میدان میں اُتر آئے اور لگے امریکا کو دوستی اور اتحادی کے طعنے دینے۔ جب لفظی جمع خرچ سے آگے بڑھنے کا تقاضا زور پکڑنے لگا تو اعلان کر دیا گیا کہ ہمیں امریکا کی امداد نہیں چاہیے اور اب پاکستان امریکا کے ساتھ فوجی تعاون نہیں کرے گا۔ چند لمحوں کے لیے یوں لگا کہ شاید ان بے شرموں کو شرم آ ہی گئی، لیکن پھر ہمیشہ کی طرح ٹاپک بدل گیا۔ قصور میں ہونے والے دل خراش واقعے نے سب کو اس غیرت اور بے غیرتی کے قضیے سے نکال کر معاشرے کے ایک اَور تاریک پہلو کی طرف متوجہ کر دیا۔

عجیب بات ہے جو ملک بین الاقوامی ادائیگیوں کے حوالے سے اپنی تاریخ کے مشکل ترین دور سے گزر رہا ہو۔ جسے امریکی پالیسی کے تناظر میں آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک انتہائی ضروری قرضوں کی فراہمی سے بھی گریزاں نظر آتے ہوں۔ جس کی معیشت میں حقیقی پیداواری عمل بہ تدریج ناپید ہوتا جا رہا ہو۔ اور جس کی کرنسی پر دباؤ ہو کہ اُسے 15 سے 20 فی صد گرا دیا جائے۔ اور جو اربوں ڈالر سالانہ امداد کے بغیر اپنا بجٹ بھی نہ بنا سکے، اُس ملک کا وزیرِ خارجہ امریکا میں اپنے بیٹے کی شادی کی تقریبات نمٹا کے پاکستان واپس آتا ہے اور امریکا کے بارے مندرجہ بالا جذبات کا اظہار کرتا ہے۔

یہ وہی قوم ہے جو اعلانِ آزادی سے لے کر آج تک دفاعی سہولت، معاشی ترقی، تعلیم اور صحت ایسے شعبوں میں صرف امریکا سے قریباً 85 ارب ڈالر کی امداد وصول کر چکی ہے۔ اور اگر امریکا اور ایسے ہی باقی دیگر ممالک اس حوالے سے امداد بند کر دیں تو سرکارِ پاکستان اپنا بجٹ بنانے کے قابل بھی نہ رہے۔ اور ہمارے حکمران اور دانش ور ہیں کہ اپنے ''محسنِ اعظم'' کو آنکھیں دکھا رہے ہیں۔ یاد رہے کہ رواں مالی سال کے دوران پاکستان کو کم از کم 18 ارب ڈالر کی ضرورت ہے، جس میں سے ایک بڑا حصہ قرض اور امدادی رقوم کا ہے۔ امریکا کے اس اقدام کے تناظر میں چین کا بڑھتا ہوا تعاون امید کی ایک کرن کے طور پر بیان کیا جا رہا ہے۔ گویا یہ معاملہ ہے کہ ''چوہدری صاحب نے گھر سے ذلیل کر کے نکالا تو کیا ہوا، ملک صاحب تو ہیں نا۔'' وہ کچھ نہ کچھ کر ہی دیں گے اور ہماری عزت مجروح ہونے سے بچ جائے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لیے پہلے قومی آزادی اور حریت کی اَساس پر قومی جمہوری سیاسی اور معاشی نظام بنانا ہوگا۔ ورنہ سیاسی اور معاشی حقائق سے ہٹ کر محض امریکا کو بُرا بھلا کہنے سے کسی طور مسائل حل نہیں ہو سکتے۔

www.rahimia.org

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

جوہری ہتھیاروں کے عدمِ پھیلاؤ پر عمل درآمد کا مشترکہ جامع معاہدہ JCPOA

(Joint Comprehensive Plan of Action)

نومبر 2013ء میں ایران اور امریکا، برطانیہ، فرانس، روس اور چین کے درمیان جوہری ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے حوالے سے مذاکرات کا آغاز ہوا۔ جس کے نتیجے میں ایک لائحۂ عمل طے پایا۔ معاہدے تک پہنچنے کے لیے 20 ماہ پر مشتمل اپریل 2015ء تک کے لیے ایک روڈ میپ تشکیل دیا گیا۔ ایران اور سلامتی کونسل کے پانچ مستقل ارکان کے علاوہ جرمنی اور یورپی یونین کے نمائندے بھی جوہری ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے معاہدے ''مشترکہ جامع منصوبہ پر عمل درآمد کا معاہدہ'' میں شریک تھے۔ مذکورہ فریقین کے درمیان 14/ جولائی 2015ء کو ایک ابتدائی معاہدہ طے پایا کہ 18/ اکتوبر 2015ء سے رُکن ممالک منصوبے سے متعلقہ ابتدائی اقدامات پر کام کا آغاز کردیں گے۔ جس کے نتیجے میں یہ منصوبہ 16/ جنوری 2016ء سے نافذ العمل ہوگیا۔ اس منصوبے پر ایران کی جانب سے عمل درآمد کی تصدیق جوہری توانائی کے عالمی ادارے کے علاوہ امریکی وزیرِ خارجہ جان کیری نے بھی کردی تھی۔ اس کے بعد امریکی صدر نے ایک صدارتی حکم نامے کے ذریعے ایران پر گزشتہ 30 سالوں سے عائد تجارتی پابندیوں کے خاتمے کا اعلان کردیا۔ اس سلسلے میں 159 صفحات کا ایک معاہدہ طے پایا، جس میں 60 صفحات ان اشیا کے ناموں پر مشتمل ہیں، جن پر سے معاہدے کے نتیجے میں پابندیاں اٹھالی جائیں گی۔

امریکی رسالہ "The Washington Free Beacon" کا رپورٹر آدم کریڈر اپنی 21/ جنوری 2015ء کی رپورٹ میں لکھتا ہے کہ اگر امریکا ایران کو اثاثوں کی مد میں رقوم کا اجرا کرتا رہا اور کوئی غیر متوقع حادثہ پیش نہیں آیا تو معاہدے کی تکمیل تک ایران کو 1170 ارب امریکی ڈالر منتقل ہوجائیں گے۔ امریکی اتباع میں یورپی یونین کے رُکن ممالک نے بھی ایران کے خلاف ایسی تمام پابندیوں کو اُٹھالیا اور یورپی یونین کے سرمایہ کاروں نے ایرانی معیشت کے مختلف شعبوں میں سرمایہ کاری کا آغاز کردیا۔

21/ ستمبر 2017ء کو امریکا کی قومی سلامتی کے محکمے کے 41 سینئر افسروں نے ایک خط کے ذریعے امریکی صدر پر زور دیا کہ وہ JCPOA سے باہر نکل جائے۔ ان کا کہنا تھا کہ کسی بھی امریکی صدر کا ''یہ خطرناک معاہدہ ہے۔'' کیوں کہ اس کے نتیجے میں ایران جوہری ہتھیاروں کی تیاری کا عمل جاری رکھ سکتا ہے۔ ان افسران کا کہنا تھا کہ ٹرمپ نے اپنی الیکشن مہم کے دوران سابق صدر باراک اوباما پر معاہدہ کرنے پر جو تنقید کی تھی، وہ درست تھی۔ امریکی اخبار CBS NEWS کے مطابق 12/ اکتوبر 2017ء کو امریکی صدر نے اپنی انتظامیہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا: "Can not and will not." وہ (صدر امریکا) ایران کے جوہری ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے معاہدے پر عمل درآمد کی تصدیق نہیں کرے گا۔'' امریکی قانون کے مطابق امریکی صدر کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہر نوے دنوں کے بعد سمجھوتے کے مطابق ایران کی طرف سے نبھائی گئی ذمہ داریوں کی تصدیق کرے۔ امریکا ایسی سیاسی صورتِ حال پیدا کر کے ایران پر دباؤ بڑھانا چاہتا تھا، امریکی صدر کا کہنا ہے کہ: ''ایران دہشت گردی کی سرپرستی کرتا ہے۔ حزب اللہ، حماس اور القاعدہ کو مدد فراہم کرتا ہے۔ شام میں بشارالاسد کی حکومت کی مدد کے علاوہ ایران نے عراق اور افغانستان میں شدت پسندی، دہشت گردی اور فرقہ واریت کو فروغ دیا ہے۔'' مزید یہ کہ ''ایرانی حکومت' شمالی کوریا کی مالی مدد کرتی ہے۔'' لیکن اس کی یہ بھونڈی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوسکی۔ کیوں کہ اُلٹا عالمی برادری نے ایران کی حمایت اور امریکی صدر کے معاہدے سے مکرنے کے اندیشے کو خوب تنقید کا نشانہ بنایا۔ یورپ اور ایشیا کی جن قوموں نے امریکی صدر کے اس عمل پر تنقید کی ہے، ان میں فرانسیسی وزیرِ خارجہ ژان وزلے نے کہا: ''جوہری معاہدے کے تمام فریقوں کو ایک دوسرے کی عزت کرنی چاہیے۔'' برطانوی وزیر خارجہ بورس جانسن نے کہا ہے: ''یہ بات اہم ہے کہ سمجھوتے یعنی 'جوائنٹ کمپری ہینسِو پلان آف ایکشن' کے لیے دنیا بھر میں حمایت میں اضافہ کیا جائے اور ایران کو موقع دیا جائے کہ وہ ثابت کرے کہ وہ خطے کا ایک اچھا ملک ہے۔'' یورپی یونین کی خارجہ پالیسی کی سربراہ فریڈریکا مغیرینی نے ''برسلز میں ہونے والے اجلاس میں کہا ہے کہ بین الاقوامی برادری میں اتحاد لازمی ہے، تاکہ سمجھوتے کا تحفظ ہوسکے، جو کام کررہا ہے۔ جس کے باعث دنیا محفوظ ہے، اور جس سے خطے میں ممکنہ جوہری ہتھیاروں کی دوڑ رُکی ہوئی ہے، اور ہمیں توقع ہے کہ تمام فریق اس سمجھوتے پر مکمل عمل درآمد جاری رکھیں گے۔''

چینی وزارتِ خارجہ کے مطابق ''پوری دنیا کی برادری نے JCPOA کی حمایت کی ہے اور ایران کی طرف سے کی گئی کوششوں کو سراہا ہے۔'' روسی صدر ولادی میر پیوٹن نے امریکی صدر کے بیان کو ''منفی ذہن'' قرار دیا ہے۔

دنیا میں طاقت کے مراکز کی تبدیلی اپنے ایک خاص سائنسی عمل کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔ کائنات اور انسانی معاشرے کے ارتقا کے عمل کو دھونس اور دھاندلی کی بنیاد پر روکا نہیں جاسکتا۔ کوئی ملک اکیلا اس عمل کو معطل نہیں کرسکتا۔ ایک امریکی صدر اپنی پوری اسٹیبلشمنٹ کے بل بوتے پر عالمی برادری کے ساتھ کھڑے ہوکر ایک معاہدہ کرتا ہے اور دوسرا صدر آتے ہی اس معاہدے سے پہلو تہی اختیار کرلیتا ہے۔ قوموں کی صف میں ایسے ملک کا وقار مجروح ہوجاتا ہے۔ معاہدہ کرتے وقت ایران اکیلا تھا، جب کہ مدمقابل قوموں کی پوری برادری صف آرا تھی۔ کیا ایران اکیلا تھا، جس نے معاہدہ مرتب کیا تھا؟ تمام دنیا کی آنکھوں میں دُھول جھونک کر اور دماغوں کو محبوس کرتے ہوئے معاہدہ کیا تھا؟ حال آں کہ یہ معاہدہ راتوں رات وجود میں نہیں آیا، بلکہ تین سالوں کی طویل اور تھکا دینے والی جدوجہد کے نتیجے میں وضع ہوا تھا۔

www.rahimia.org

رپورٹ: نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

معاشرتی ترقی کا پروگرام

12 رجنوری 2018ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں خطبہ جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! قرآن حکیم انسانی سماج کا تحلیل وتجزیہ کرتا ہے اور اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ جو قومیں انسانیت کی ترقی کی صدقِ دل کے ساتھ جدوجہد اور کوشش کرتی ہیں، وہ کامیاب وکامران ٹھہرتی ہیں۔ اور جن معاشروں میں سچائی کے بجائے جھوٹ ہو، انسانیت کی ترقی کی سوچ نہ ہو، قرآن حکیم کے نزدیک وہ قومیں نہ صرف دنیا میں زوال پذیر ہوتی ہیں، بلکہ آخرت میں بھی اُن کے لیے بڑا ہی دردناک عذاب ہوتا ہے۔

انبیا علیہم السلام کا سب سے پہلا کام کسی قوم کو اُن کے غلط اَعمال سے آگاہ کرنا، انھیں سچائی کی دعوت دینا، حق بات سمجھانا اور حقائق کا شعور دینا ہوتا ہے۔ عقل وشعور کے ساتھ انسانیت کی خدمت اور اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کی دعوت دی جاتی ہے۔ انسانی معاشرے کا نظام درست کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ کسی پر ظلم، زیادتی اور ناانصافی کرنے سے روکا جاتا ہے۔ عدل قائم کرنے، امن وامان کو یقینی بنانے اور انسانی معاشرے میں مال ودولت کو تمام لوگوں کے فائدے کے لیے خرچ کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ چناں چہ مکہ مکرمہ میں نازل ہونے والی جتنی بھی آیات ہیں، اُن کا آپ تحلیل و تجزیہ کیجیے، اُن کے مطلب اور مفہوم پر غور وفکر کیجیے تو وہ انھیں چیزوں کی دعوت دیتی ہیں کہ اپنے آپ کو ان صحیح تعلیمات کے مطابق کردار ادا کرنے کے لیے تیار کرو۔ اور جتنے غلط کام، جتنی کوتاہیاں، جتنی خرابیاں تم نے پیدا کی ہیں، ان تمام سے توبہ کرلو۔

قرآن حکیم کی تعلیمات کی اساس پر نبوت کے بعد کی سب سے پہلی ذمہ داری آپؐ پر اِنذار کی عائد کی گئی کہ اَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (214:26) کہ آپؐ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیے کہ اُن کے غلط کردار، اُن کی غلط سوچ کے بُرے نتائج اُن کے حق میں درست ثابت نہیں ہوں گے۔ اللہ پاک نے وحیِ الٰہی کے نزول کے بعد دوسرے انسانوں سے جو ربط اور تعلق پیدا کرنے کا سب سے پہلا حکم دیا ہے، وہ یہی اِنذار کا ہے۔ اس سے پہلے تو خود نبی اکرمؐ سے کہا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ سچا تعلق قائم کریں۔ اپنے ربّ کا نام پڑھیں۔ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ (1:96) اپنے ربّ کا نام پڑھو، جس نے آپؐ کو پیدا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرمؐ پر جب یہ آیتِ مبارکہ نازل ہوئی تو آپؐ نے سب سے پہلے ایک اجتماع کیا۔ صفا پہاڑ پر حضورؐ تشریف لے گئے اور اپنے تمام قریبی رشتہ داروں کو، خاندان کے لوگوں کو، قریشی سرداروں کو نام لے کر پکارا۔ جب وہ سب کے سب صفا پہاڑ کے نیچے جمع ہوگئے تو آپؐ نے ایک تقریر فرمائی کہ میں واضح طور پر تمھیں بتلا رہا ہوں کہ تم اللہ کی بات کو مان لو۔ لا اِلٰہ اِلاَّ اللّٰہ کہو اور ظلم وستم اور کفر وشرک کو چھوڑ دو۔ اللہ کا انکار اور جھٹلانے کا عمل ترک کردو۔''

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''قرآن حکیم نے اس بات کی بھی نشان دہی کی کہ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ (137:3) زمین میں سیر کرو۔ گردوپیش کے حقائق کا جائزہ لو اور دیکھو کہ سچوں کو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔ اپنی نظر دوڑاؤ، غور وفکر کرو۔ ماضی کی تاریخ دیکھو۔ عرب لوگ مکہ مکرمہ سے شام جاتے تھے تو راستے میں قومِ عاد اور قومِ ثمود کے محلات موجود تھے کہ جو عذابِ الٰہی کے نتیجے میں تباہ وبرباد ہوئے۔ انھوں نے انبیا کی تعلیمات کو جھٹلایا تھا۔ یہ بات مکے والوں کو معلوم تھی۔ ان کی تاریخ کے واقعات میں یہ بات موجود تھی کہ ان لوگوں نے اپنے انبیا کو نہیں مانا تو وہ تباہ وبرباد ہوئے۔ قرآن حکیم نے یہ منظر کشی کی ہے کہ جو سچوں کو جھٹلاتے ہیں، سچائی کا انکار کرتے ہیں۔ حق کو نہیں مانتے۔ ان کے معاشرے اسی طریقے سے تباہ وبرباد ہوتے ہیں۔

قرآن حکیم نے ان آیات کی روشنی میں اس بات کی دعوت دی ہے کہ اپنے گردوپیش کا جائزہ لو۔ گزشتہ قوموں کی تاریخ اور قصے صرف اس لیے بیان کیے گئے ہیں کہ تم عبرت حاصل کرو۔ عبرت کا مطلب عربی میں کسی چیز کو عبور کرنے سے ہے کہ اپنے ذہن کو ان واقعات اور آیات سے گزار کر اپنے دور کے معاشرے کا جائزہ لیں۔ صحیح طور پر یہ رائے قائم کریں کہ آپ کے ہاں اپنے گردوپیش میں کیا صورتِ حال ہے۔ ایک چیز کو دیکھ کر دوسری چیز کی طرف ذہن کے منتقل ہوجانے کو ''عبرت'' کہتے ہیں۔ عبرت کا یہ مطلب نہیں کہ صرف آدمی واہ واہ یا آہ آہ کے ڈونگرے برسائے۔ آہیں بھرنے سے یا واہ واہ کرنے سے ہی صرف عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ عبرت یہ ہے کہ ذہن کو، عقل وشعور کو حقائق کی طرف منتقل کیا جائے۔ گزشتہ واقعات کے تناظر میں اپنے گردوپیش کے واقعات کا جائزہ لیا جائے۔ تاریخ کے بارے میں یہ جملہ بڑا مشہور ہے کہ ''دنیا میں تاریخ اپنے آپ کو دُہراتی ہے۔'' دہرانے کا مطلب یہی ہے کہ اگر یہ عمل تاریخ میں ہوا ہے اور اس کا ایک نتیجہ نکلا ہے، تو اب بھی اگر یہ عمل ہوگا تو نتیجہ یہی نکلے گا۔ اس لیے غلط نتائج والے اعمال سے بچنا اب ضروری ہے۔

قرآن حکیم کی یہ آیات ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں کہ ہم اپنی عقل وشعور کا استعمال کریں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے ڈھائی تین سو سال سے عقل کا استعمال ترک کردیا۔ عبرت کا حصہ چھوڑ دیا۔ ہمارا ذہن ایک واقعے سے دوسرے واقعے کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ قرآن پڑھتے ہیں تو رسمی طور پر۔ آیات سنتے ہیں تو محض قصے کے طور پر۔ کسی اچھے مذہبی مقرر کی تقریر سنی تو واہ واہ کے ڈونگرے برسائے۔ اور کسی رونے پیٹنے والے نے کوئی جہنم یا عذاب کے واقعات بیان کیے تو آہ آہ کرکے سینہ پیٹ لیا۔ قرآن حکیم کے بیان کردہ گزشتہ قوموں کے قصے دراصل عقل کو دعوت دیتے ہیں۔ قرآن عقل وشعور کی دعوت دے کر ذہن کو عبور اور منتقل کرنے کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ غور وفکر کرو اور دیکھو کہ آگے کیا نتیجہ ظاہر ہونا ہے۔''

www.rahimia.org

سچ اور جھوٹ کا شعور

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''بڑی ہی افسوس ناک حقیقت ہے کہ ڈھائی سو سال سے ہماری لیڈرشپ، ہمارے رہنما، ہمارے گرد و پیش کا ماحول سچوں کو جھٹلانے والا ہے۔ وہ لوگ سچوں کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔ جھوٹا فرد خود بھی جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ بولنے والوں کے پیچھے بھی چلتا ہے۔ اپنے رہنما اور لیڈر وہ بناتا ہے، جو نہ صادق ہوں، نہ امین ہوں۔ نہ دیانت دار ہوں، نہ انسانی حقوق کی پاس داری کرنے والے ہوں، بلکہ جھوٹ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ جتنا زیادہ جھوٹ بولے، اُتنا ہی زیادہ سوسائٹی ان کے پیچھے چلتی ہے۔ جھوٹوں کے پیچھے چلنے والوں کا انجام قرآن نے بیان فرمایا ہے کس طریقے سے وہ معاشرے تباہی و بربادی سے دوچار ہوئے۔

قرآن حکیم نے اپنی آیاتِ مبارکہ میں سب سے پہلے اسی چیز کی دعوت دی ہے کہ انسان یہ غور و فکر کریں کہ سچائی کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ جھوٹ کو ہم سچا سمجھ رہے ہیں۔ اور جس کو ہم سچائی سمجھ رہے ہیں، وہ حقیقت میں جھوٹ ہو۔ کیوں کہ یہ بھی تو بہت بڑا مغالطہ ہے کہ ہم بسا اوقات نیک خیالی کی بنیاد پر اچھا گمان رکھتے ہوئے بُرائی کو اچھائی اور جھوٹ کو سچائی سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ آج سب سے پہلے سچ اور جھوٹ کے درمیان تمیز کا شعور پیدا کرنا ضروری ہے۔ قرآن حکیم اس لیے اپنے آپ کو ''فُـرقـان'' کہتا ہے کہ وہ ایسی کسوٹی مہیا کرتا ہے، جس سے حق اور باطل کے درمیان فرق ہو جائے۔ وہ کسوٹی یہ ہے کہ کسی کام، کسی کردار اور فعل، کسی قول کے نتائج اگر غلط نکلے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ قول، بات غلط اور جھوٹی تھی، صحیح نہیں تھی۔ اس کا انسانیت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کا حق سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم آج ان ستر سالوں میں عذاب میں مبتلا ہیں۔ ذرا ستر سال کی اپنی تاریخ اُٹھا کر دیکھیں۔ سیاسی حکمران ہیں تو جھوٹے، عدالتیں ہیں تو ان میں جھوٹ پر مبنی گواہیاں اور بیانات جمع کرائے جاتے ہیں۔ اخبارات اور میڈیا ہے، جھوٹ بول بول کر جھوٹ کی علامت بن چکا ہے۔ اس سے بڑا جھوٹ اَور کیا ہے کہ ہمارا میڈیا، ہمارے اخبارات، ہمارے ریڈیو ٹی وی کی خبروں کا پچانوے فی صد حصہ جھوٹ پر مبنی ہوتا ہے۔ ان کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اگر ان کے قصے کہانیاں سنو تو اب تک پاکستان سونے کا بنا ہوا ہونا چاہیے۔ یہاں کے سارے مسائل حل ہوئے ہوتے۔ یہاں کے بیس کروڑ انسان امن و امان کی زندگی بسر کر رہے ہوتے۔ جب انسان کا مزاج بگڑ جاتا ہے، اس کو مرض لاحق ہو جاتا ہے تو پھر اس کو کھرے کھوٹے کی تمیز نہیں رہتی۔ اسی طرح آج ہمارے مزاج بگاڑے جا چکے ہیں۔ جھوٹ اور سچ کی تمیز کرنا بہت مشکل ہو چکا ہے۔ اس لیے آج سب سے پہلی ہماری ذمہ داری یہ ہونی چاہیے کہ جھوٹ اور سچ میں، حق اور باطل میں قرآن حکیم کے اصولوں کے تناظر میں تمیز پیدا کریں۔''

دین جبر نہیں، غور و فکر کی دعوت دیتا ہے

حضرت آزادرائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''قرآن حکیم انسان کو غور و فکر کی دعوت دیتا ہے۔ سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ قرآن کسی پر کوئی بات مسلط نہیں کرتا۔ ہمارے ہاں مذہبی طبقے کا معاملہ یہ ہے کہ سب سے پہلے تو وہ اپنی بات دوسروں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں کہ جو ہم نے کہہ دیا، جو فتویٰ ہم نے دے دیا، وہ دوسروں کے اوپر مسلط کر دیا جائے، نافذ کر دیا جائے۔ اور جو نہ مانے، اُس کو کافر قرار دے دو۔ حالاں کہ یہاں پر قرآن غور و فکر کی دعوت دیتا ہے کہ اپنی عقل کو استعمال کرتے ہوئے قرآن کا مطالعہ کرو۔ اس کے مطابق غور و فکر کرو۔ اپنی سوسائٹی کا تجزیہ کرو۔ عبرت حاصل کرو۔ جھوٹوں، بے ایمانوں اور جاہلوں کے انجام پر، سوسائٹی کی تباہی اور بربادی کے حالات پر غور و فکر کر کے از خود رائے قائم کرو۔ ہمارے کہنے سے یا کسی اَور کے کہنے سے نہیں، نہ کسی قصے کہانی کی بنیاد پر اپنی رائے بنائیں۔ خود اپنی آزاد مرضی سے سوچیں۔ غور و فکر کریں۔ عقل و شعور سے کام لیں۔ حقائق کا ادراک کریں۔

اگر کسی بات کو مسلط کرنے والا ہے تو سب سے زیادہ طاقت ور اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ زبردستی ساروں کو مسلمان بنا دیتا۔ زبردستی سارے معاشروں کا نظام ٹھیک کر دیتا۔ زبردستی ملک اور ریاست کو درست کر دیتا۔ پھر اللہ کے بعد اگر کوئی آدمی کسی پر مسلط ہو سکتا تھا تو وہ نبیؐ تھے، جب کہ نبیؐ کو بھی اللہ پاک نے فرما دیا: لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ (22:88) (اے محمدؐ! آپ ان پر مسلط بنا کر نہیں بھیجے گئے۔) مَآ أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ (107:6) (آپ کو ان پر وکیل بنا کر نہیں بھیجا گیا۔) حضورؐ کو نہ وکیل بنایا، نہ مسلط بنایا۔ حضورؐ کو داعی بنایا کہ ان کو غور و فکر کی دعوت دو۔ عقل و شعور کے استعمال کی اور حقائق کے ادراک کی دعوت دیں۔ اپنی مرضی سے یہ درست فیصلہ کریں گے تو درست نتیجے تک جائیں گے اور اپنی مرضی سے غلط فیصلہ کریں گے تو اس کے نتیجے میں دنیا اور آخرت کا عذاب ان کا پیچھا کرے گا۔ یہ غور و فکر کی دعوت ہے۔ سوچنا ہے۔

آج ہم نے قرآن پاک پڑھنا چھوڑ دیا۔ صحیح نظریہ اختیار کرنا چھوڑ دیا۔ گرد و پیش کے حقائق پر غور و فکر کرنا چھوڑ دیا۔ یہ تڑپ اور لگن ہی نہیں ہے کہ ہم کھرے کھوٹے میں تمیز پیدا کریں۔ سچائی اور جھوٹ کے درمیان تمیز پیدا کریں۔ حق اور باطل کے درمیان امتیاز پیدا کریں۔ قرآن حکیم کو اس نقطۂ نظر سے پڑھیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ قرآن حکیم بھی اگر پڑھیں گے تو رسمی طور پر، رٹے طوطے کی طرح پڑھتے چلے جاتے ہیں کہ ثواب مل جائے گا۔ ضرور ثواب ملتا ہے، نیکیاں ملتی ہیں، لیکن غور و فکر اور تدبر سے دنیا کا نظام درست ہوتا ہے۔ قرآن حکیم کی تعلیم پر غور و فکر اور عمل کرنے سے دنیا کا عذاب بھی ٹلتا ہے اور آخرت کا عذاب بھی ٹلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عقل نصیب فرمائے۔ شعور نصیب فرمائے۔ گرد و پیش کے حالات کا تجزیہ کرنے، درست رائے قائم کرنے اور قومی اور ملکی نظام کو قرآنی اصولوں پر قائم کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!''

www.rahimia.org

حضرت مولانا مجاہدالحسینی، مدیر ''صوت الاسلام''، فیصل آباد

برِصغیر میں انسان کا معاشی مسئلہ موضوعِ سخن کیوں نہیں؟

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن کریم میں اور سیّدنا رسول اللہؐ کے اپنے ارشادات میں صرف انسان ہی نہیں، بلکہ ساری مخلوق کی زندگی کے لیے خصوصی طور پر اَحکام و فرامین ہیں، جن میں معاشی مسئلہ حل کرنے کی جانب خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ قرونِ اولیٰ اور بعد کے مختلف اَدوار میں دیگر مسائل کے ساتھ انسان کے اقتصادی اور معاشی مسئلے کے زیرِ عنوان تحریکیں سرگرمِ عمل اور تحقیقی کتب بھی اشاعت پذیر رہی ہیں۔ برِصغیر پاک و ہند میں اس مسئلے کی جانب جس نے صحیح توجہ مبذول کی، وہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ذاتِ گرامی ہے۔ بعدازاں علمائے دیوبند نے ان کے افکار و نظریات کی تشریح اور تبلیغ کے سلسلے میں جو خدمات انجام دی ہیں، وہ ہماری تاریخ کا زرّیں باب ہیں۔

انسان کے معاشی مسئلے کو مقصود بنانے کے سلسلے میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ، مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، چودھری افضل حقؒ اور دیگر شخصیات کے نام خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ مجلس اَحرار کے بانی چودھری افضل حقؒ کی زندگی میں مجلس احرارِ اسلام کا طرۂ امتیاز تحریکِ آزادیٔ ہند، تحریکِ تحفظِ ختم نبوت اور انسان کی روٹی کا مسئلہ زیرِ فکر و نظر رہے۔ سابق حکمران ذوالفقار علی بھٹو شہید نے بھی الیکشن سے پہلے روٹی، کپڑے اور مکان کا نعرہ لگایا تھا۔ بعدازاں ان جماعتوں کی ترجیحات نے دوسرے رُخ اختیار کرلیے۔ اب اگر اس عنوان پر لٹریچر کا جائزہ لیا جائے تو مولانا مودودی کی تصنیف ''معاشی مسئلہ'' اور ''مسئلہ ملکیت زمین'' لائق توجہ ہے۔ اسی عنوان کے تحت قادیانی لیڈر مرزا بشیرالدین محمود کی تصنیف بھی ہے۔ ان دونوں کا نظریہ جاگیردارانہ نظام کی تائید و حمایت ہے۔ اور سارا زورِ قلم اس میں لگادیا گیا ہے کہ جس کے قبضے میں زمین یا دولت و سرمایہ آگیا ہے، شخصی حقوق اور آزادی کا تقاضا یہ ہے کہ کسی کا حقِ ملکیت، خواہ سینکڑوں مربع زمین پر مشتمل ہو، ان سے جبراً چھینا نہیں جاسکتا۔

جب کہ پاکستان میں اس وقت باقاعدہ نظریاتی تحریک کے سلسلے میں معاشیات کے موضوع پر حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلفا میں سے حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ نے مولانا سندھیؒ کے معاشی افکار و نظریات کو موضوعِ سخن بنا کر باقاعدہ تحریک کی شکل دی ہے۔ اس سلسلے میں نہایت علمی و تحقیقی کتب شائع کرنے کا بھی اعزاز پایا ہے۔ حضرت مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کے بعد ان کے فرزندِ نسبتی، محقق و مصنف مولانا عبدالخالق آزاد نے انسان کے معاشی مسئلے کو اہمیت دے کر اَسلاف کی روایات زندہ رکھنے کی کوشش کی ہے، جو لائقِ تحسین ہے۔ حیرت ہے کہ ہمارے وہ مذہبی و سیاسی رہنما جو خود تو اس مسئلے کو قصۂ پارینہ قرار دینے پر کمربستہ ہیں، وہ اس مسئلے کی اہمیت کے پیشِ نظر سرگرمِ عمل حضرات کے خلاف کفر کے فتوے جاری کرنے کو کارِ ثواب سمجھتے اور ان کی راہ میں کانٹے بکھیرنے کو ذریعۂ نجات قرار دیتے ہیں، لیکن خود کسی کام پر آمادہ نہیں ہیں۔ ع   بریں عقل و دانش بہ باید گریست   (بقیہ صفحہ 12 پر)

حافظ محمد طیب ندیم، اسلام آباد

اقوامِ عالم میں سوشل اداروں کی تشکیل کا ارتقائی سفر

ہر مہذب قوم کی مادی اور اَخلاقی ترقی کے پیچھے چند بنیادی سماجی اداروں کا وجود فطرتاً ناگزیر رہا ہے۔ وہ ادارے کیا ہیں؟ ان کی ضرورت کیوں پیش آئی اور ان کا ارتقا کیسے ہوا؟ ہمیں اور ہمارے جیسی زوال یافتہ اقوام کو ان سے استفادہ نہ صرف فکری اعتماد، بلکہ عملی اقدامات کی ٹھوس جڑیں بھی مہیا کرسکتا ہے۔ ولی اللّٰہی سکول آف تھاٹ کے مطابق ان سوشل اداروں اور ان کے ارتقائی سفر کو ﴿**ارتفاقات معاشیہ**﴾ کہتے ہیں۔ ارتفاق کا مادہ رِفق ہے، جس کے معنی نرمی کے ہیں اور اصطلاحاً کسی بھی معاشرے کی معاشی اور سماجی مشکلات کو آسانی کے ساتھ جن ارتقائی طریقوں سے حل کیا جاتا ہے، انھیں ارتفاقاتِ معاشیہ کہا جاتا ہے اور یہ اپنی ارتقائی تشکیل کے اعتبار سے چار ہیں:

ارتفاقِ اوّل [تہذیب کی پہلی منزل]: اس کا آغاز بنی نوعِ انسان کے اس دنیا میں پہلا قدم رکھنے کے ساتھ ہی ہوگیا تھا، جس میں اسے اپنے جسم کی بقا کے لیے کھانے پینے کی جیسی تیسی اشیا و لباس، سردی و گرمی اور دشمن سے بچاؤ کے لیے چھپنے کی جگہ، اپنے مافی الضمیر کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے زبان کی ایجاد اور اپنی نسل کی پیدائش و افزائش کے لیے ایک متعین عورت سے نکاح کرنا' اس پہلی تہذیب کا متاعِ کل تھا۔

ارتفاقِ دوم [تہذیب کی دوسری منزل]: چوں کہ بنی نوعِ انسان دیگر تمام مخلوقات سے مفادِ عامہ، ہر اگلے لمحے بہتر سے بہترین کی تلاش اور درایت و روایت کی اعلیٰ خصوصیات کی وَجہ سے بلند مرتبے پر فائز ہے تو اسے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ارتفاقِ اوّل کے شعبوں کو ان خصوصیات انسانی کے تقاضوں کے مطابق منظّم شکل میں ڈھالا جائے جس کے نتیجے میں پانچ سوشل ادارے وجود پذیر ہوئے: ۱۔ فنِ معاش، ۲۔ فنِ صنعت و حرفت ۳۔ فنِ گھریلو امور ۴۔ فنِ معاملات ۵۔ فنِ تعاونِ باہمی۔

ارتفاقِ سوم [تہذیب کی تیسری منزل]: جب ارتفاقِ دوم میں مختلف قبائل مل کر بڑا اجتماع بنا تو ان پانچ اداروں کے ساتھ استحصالی کردار بھی شامل ہوگیا تو ایک ایسے سوشل سسٹم کی ضرورت محسوس ہوئی جو ان تمام معاشی اور سماجی اداروں کو کنٹرول کرسکے جس کے لیے ایک قومی حکومت کا اپنے تمام لازمی اداروں کے ساتھ وجود میں آنا فطری عمل تھا۔

ارتفاقِ چہارم [تہذیب کی چوتھی منزل]: جب ارتفاقِ سوم میں مرورِ زمانہ کے ساتھ مختلف بڑے قبائل اکٹھے ہوئے تو قومی حکومتیں وجود میں آگئیں تو ان میں تصادمِ اَغراض کے باعث آپس میں قتل و غارت، وسائلِ معیشت پر قبضہ اور غلامی جیسی لعنتیں وجود میں آئیں جس سے نمٹنے کے لیے پہلے ریجنل حکومتیں' پھر انٹرنیشنل حکومت بنی جسے اسلام کا بارہ سو پچاس سالہ بین الاقوامی حکومت کا دور کہا جاتا ہے۔ لیکن ہائے بہ صد افسوس! کہ اَقوام مزید اَمن و خوش حالی کی منازل طے کرکے اپنے خدا کی مزید معرفت حاصل کرتیں، سامراجی قیادت نے بالجبر ان اقوام کو دوبارہ ارتفاقِ اوّل و دوم کی حیوانی زندگی جینے پر مجبور کردیا!

www.rahimia.org

عظمت کے مینار

وسیم اعجاز، کراچی

الصدر السعید مولانا عبدالحئی بُڈھانویؒ

حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے تربیت یافتہ حضرات میں اُن کے داماد مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ بھی شامل ہیں۔ مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ کے والد کا اسم گرامی ہبۃ اللہ اور جدِامجد کا نام نوراللہؒ تھا۔ مولانا نوراللہ بڈھانویؒ اپنے دور کے مشاہیر میں سے تھے۔ ان کا شمار امام الہند امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے شاگردوں میں ہوتا ہے۔ نسباً صدیقی تھے۔

مولانا عبدالحئیؒ تعلیم کے حصول کے لیے دہلی تشریف لائے تو اس وقت مدرسہ رحیمیہ کی شہرت عام تھی۔ مولانا موصوفؒ نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے تینوں صاحب زادوں، یعنی امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، امام شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور امام شاہ عبدالقادر دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ یہ اساتذہ تعلیم دینے میں امام کی حیثیت رکھتے تھے۔ انھیں علوم حاصل کرنے کے فنی ملکات پیدا کرنے کے طریقۂ کار کا بڑا تجربہ تھا۔ انھیں فقہ پر بڑا عبور تھا اور درسی کتب کو بڑی اچھی طرح پڑھاتے تھے۔

تعلیم سے فراغت کے بعد انھیں میرٹھ میں مفتیٔ عدالت کا عہدہ پیش کیا گیا اور انھوں نے شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے اجازت لے کر یہ عہدہ قبول فرما لیا تھا۔ یہ اس زمانے کا بہت بڑا منصب تھا۔ کچھ مدت تک مولانا موصوفؒ یہ خدمت سرانجام دیتے رہے۔ بعد ازاں دہلی کالج میں بھی تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ حضرت سیّد احمد شہیدؒ جب نواب امیر خان کی ملازمت ترک کر کے دہلی تشریف لائے اور امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے حسبِ ارشاد اللہ کے راستے میں جدوجہدِ آزادی کے حصول کے لیے جماعت سازی کا کام شروع کیا تو اس وقت مولانا عبدالحئیؒ دہلی میں موجود تھے۔ اسی دوران مولانا موصوفؒ نے سیّد احمد شہیدؒ سے کسبِ فیض کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔

حضرت سیّد احمد شہیدؒ کی مقبولیت میں جب روز افزوں اضافہ ہوتا گیا تو آپؒ نے ملک کے مختلف علاقوں کا دورہ کیا۔ ان دوروں کے دوران شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحئیؒ ہر لحظہ سیّد احمد شہیدؒ کے ساتھ ساتھ رہے اور ان کی معاونت کا کردار ادا فرمایا۔ 1822ء میں جب سیّد احمد شہیدؒ نے سفرِ حج کا ارادہ فرمایا تو انھوں نے آپؒ کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا۔ اسی سفر کے دوران ہی یمن کے ایک نامور محدث قاضی محمد بن علی شوکانیؒ سے حدیث کی اجازت بھی حاصل کی۔ ان کی کتاب ''الموضوعات'' بھی مولانا ہی ہندوستان لے کر آئے تھے۔ اس سے قبل یہ کتاب برصغیر میں موجود نہ تھی۔

مولاناؒ وعظ بہت اچھا اور مدلل انداز میں فرماتے تھے۔ وطنِ عزیز کی آزادی کی خاطر بیگانگانِ بعید الوطن (فرنگیوں) کے خلاف جہاد کی ترغیب بڑے مؤثر انداز میں دیتے تھے۔ آپؒ کی ان تقاریر کی بہ دولت محبانِ وطن کی ایک بڑی تعداد نے سیّد احمد شہیدؒ کی دعوت پر لبیک کہا اور اس تحریک میں شامل ہو گئے۔ ان ترغیبات کا سلسلہ مدرسے کی چار دیواری سے شروع ہوا تھا، لیکن جیسے جیسے تعداد میں اضافہ ہوتا گیا تو ان مجالس کو دہلی کی جامع مسجد میں منتقل کیا گیا۔

مولانا موصوفؒ فنِ سپاہ گری میں بھی بہت مہارت کے مالک تھے۔ ایک موقع پر آپؒ نے اپنے بارے میں فرمایا تھا کہ:

''میں زرا مُلّا نہیں ہوں۔ سپاہ گری بھی جانتا ہوں۔ اگر بھاری بندوق اور گولہ بارود لے کر ایک منزل پیدل طے کر کے آؤں اور تھکان کے باعث چُور ہو جاؤں، اس وقت بھی آپ جو سوالات پیش کریں گے، خدا کی مدد سے ان کا ٹھیک ٹھیک جواب دوں گا۔''

مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ، حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے ساتھ ہی جہاد کے سلسلے میں دہلی سے روانہ ہوئے تھے، لیکن ٹونک پہنچنے کے بعد مولانا موصوفؒ کو حاجی احمدؒ اور مولانا عبدالقدوسؒ کے ہمراہ ٹونک میں ٹھہر کر مزید افراد کی تنظیم سازی کی ذمہ داری کے لیے رُکنا پڑا۔ اس دوران مولاناؒ نے اپنی ٹیم کے ہمراہ ان تمام حریت پسندوں کو منظم کیا، جنھوں نے اپنا تعلق حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے ساتھ جوڑ لیا تھا۔ تقریباً 5 ماہ کے بعد سیّد احمد شہیدؒ نے انھیں اپنے پاس بلایا تو مولاناؒ تھانیسر، مالیر کوٹلہ، مروٹ، بہاول پور، شکار پور، بولان، قندھار اور باجوڑ سے ہوتے ہوئے سیّد احمد شہیدؒ کے پاس پہنچے۔

انتہائی جاں فشانی کے ساتھ حضرت سیّد احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے ساتھ مل کر بھرپور کردار ادا کیا۔ جنوری 1827ء میں پشاور کے قریب ''پنجتار'' میں عارضی ہندوستانی حکومت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس حکومت کے امیر المؤمنین حضرت سیّد احمد شہیدؒ تھے، جب کہ مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ اور مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ ان کے وزیر کی حیثیت رکھتے تھے۔ تمام اہم امور کی انجام دہی میں سیّد صاحبؒ ان دونوں حضراتؒ کی مشاورت سے کام کرتے تھے۔

حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے ملفوظات پر مشتمل کتاب ''صراطِ مستقیم'' کی ترتیب میں آپؒ شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے ساتھ برابر کے شریک بھی رہے۔ شاہ محمد اسماعیلؒ، سیّد صاحبؒ کی زبان سے جو باتیں سنتے تھے، انھیں قلم بند کر کے آپؒ کو سنا دیتے تھے۔ کتاب کا ایک حصہ شاہ اسماعیلؒ اور باقی مولانا عبدالحئیؒ کا لکھا ہوا ہے۔ آپؒ نے قیامِ حرمین کے زمانے میں صراطِ مستقیم کا عربی میں ترجمہ بھی کر دیا تھا۔

مختصر علالت کے بعد آپؒ 8/ شعبان 1243ھ/ 24/ فروری 1828ء کو بمقام ''خار'' وصال پا گئے۔ نمازِ جنازہ سیّد احمد شہیدؒ نے پڑھائی اور تدفین پنجتار کے قریب باجوڑ کی ایک بستی بٹ خیلہ ضلع مالاکنڈ میں ہوئی۔ آج کل ان کا مزار ''عبدالحئی بابا'' کا مزار کہلاتا ہے۔ بلاشبہ حضرت مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ جلیل القدر عالم اور فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ قوم کا درد رکھنے والے عظیم سپاہ سالار تھے۔ خود امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ موصوف کو ''شیخ الاسلام'' کے لقب سے یاد فرماتے تھے۔ ایک خط میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ اور حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کو ''تاج المفسّرین''، ''فخر المحدّثین'' اور ''سرآمد علمائے محققین'' کے القاب سے نوازا ہے۔

www.rahimia.org

(بقیہ: معاشیات) پاکستان میں جتنی بھی مذہبی وسیاسی جماعتیں سرگرمِ عمل ہیں، ان کی جزوی افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ وہ اپنے طریقِ کار کو اگر عصرِ حاضر کے تقاضے کے مطابق سمجھتے ہیں تو اس میں لگے رہیں، لیکن انھیں یہ ضرور سوچنا چاہیے کہ اُمتِ مسلمہ کے افراد اگر فاقہ کشی اور قحط کا شکار ہوں گے (نعوذ باللہ) تو وہ نہ تو آپ کے جلسے جلوس کی رونق بن سکتے ہیں اور نہ ہی اللہ کے راستے میں نکلنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔

سب سے پہلے ان کی روزی اور پیٹ کا مسئلہ ہے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ بہلا پُھسلا کر مردوں کو تو تبلیغِ اسلام کے لیے اللہ کی راہ میں لے جائیں اور پیچھے ان کی آل اولاد اور اہلِ خانہ بھوک سے نڈھال زندگی کی تلخیاں برداشت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ان کا پُرسانِ حال کوئی نہیں ہوگا تو مجبوراً غلط راستوں پر پڑنے کا خدشہ ضرور دامن گیر رہے گا۔

بہر حال اہلِ فکر و دانش کو انسان کے اقتصادی اور معاشی مسئلے کی جانب توجہ مبذول کر کے کوئی اجتماعی اور مؤثر اقدام ضرور کرنا چاہیے۔ قبل ازیں لوگوں کی توجہ روسی کمیونزم کی جانب مبذول تھی۔ روسی کمیونزم کے خاتمے کے بعد اب چین کا کمیونزم دھیرے دھیرے قدم بڑھا رہا ہے۔ اگرچہ چینی کمیونزم روسی نظریات کا آئینہ دار نہیں، لیکن دنیا کے سرمایہ دارانہ نظام کے دوش بہ دوش صرف چینی کمیونزم ہی دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کا توڑ ہے۔

روسی کمیونزم کی تشریح اور اس کی افادیت کے موضوع پر باقاعدہ لٹریچر شائع ہوتا تھا۔ وہ مفت تقسیم بھی کیا جاتا یا برائے نام قیمت پر فروخت ہوتا تھا۔ آپ سن کر حیران ہوں گے کہ روس کے خلاف جب اس کی مذہب دشمنی کی تحریک ہمہ گیر ہوگئی تو مذہبی حلقے کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے روس نے قرآن کریم کے علاوہ دیگر مذہبی اسلامی کتب کی اشاعت کا اہتمام کیا تھا، لیکن یہ ٹیکنیک بھی روس کے کام نہ آئی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کمیونزم کے خاتمے کے بعد متبادل نظریہ کہاں سے نمودار ہوتا ہے؟ جب کہ دنیا کی بساطِ سیاست پر نگاہ ڈالنے سے اس حقیقت کا ادراک ہوتا ہے کہ دین و مذہب کے نام سے منصۂ شہود پر آنے والی تحریکوں کو بڑی طاقتیں پہلے اپنے مقصد کے لیے ہر قسم کے وسائل فراہم کر کے خوب استعمال کرتی ہیں۔ مطلب پورا ہونے پر انھیں دہشت گرد قرار دے کر نیست و نابود کر دیتی ہیں۔ جیسا کہ افغانستان و پاکستان میں جہاد کے مقدس نام سے تحریکِ جہادِ اسلامی کو اسلحہ فراہم کر کے اسے چلانے کی تربیت دی گئی۔ دولت و سرمائے کی تجوریوں کے منہ کھول کر مجاہدینِ اسلام کی خوب پرورش کی گئی۔ جب روس کو اسلامی جہاد کے مقدس نام سے شکست دے دی گئی تو انھیں دہشت گرد اور ملک دشمن قرار دے کر نفرت کی گہری کھائی میں دھکیل کر امریکا نے اپنے سر پر واحد سپر پاور ہونے کا تاج سجا لیا۔ امریکی پالیسی کی وَجہ سے اب دینِ اسلام کے مقدس نام سے کسی تحریک کا اُٹھنا مشکل نظر آتا ہے۔ بہ ایں ہمہ ایک حقیقت ہے کہ دینِ اسلام ہمہ گیر ہے اور اس کی مقبولیت میں قطعاً کمی نہیں آ سکتی، نہ اسلامی چراغ بجھایا جا سکتا ہے۔ مولانا ظفر علی خانؒ نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر — شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال کیا اُونی یا سُوتی جرابوں پر مسح کیا جا سکتا ہے؟ موزوں اور بوٹوں پر مسح کی کیا شرائط اور مسائل ہیں؟ اور کتنی مدت تک مسح کیا جا سکتا ہے؟

جواب جن موزوں پر مسح کرنا درست ہے، دُرِّ مختار میں اس کی تین شرطیں ہیں:

(۱) وہ موزہ جو ٹخنوں سمیت پورے پاؤں کو ڈھانپ لے۔
(۲) وہ موزہ 3 اُنگلیوں کی مقدار پھٹا ہوا نہ ہو۔
(۳) موزہ پہن کر معمول کی رفتار سے کم از کم تین کلومیٹر یا اس سے زیادہ چلنا ممکن ہو۔

اگر موزے کے پھٹے ہوئے حصے پر تسمہ باندھ لیا گیا ہو تو اس پر مسح جائز ہوگا۔ ان شرائط کے مطابق چمڑے یا مضبوط قسم کے ریگزین کے موزوں پر ہی مسح کرنا جائز ہے۔

چوں کہ مروّجہ اُونی یا سُوتی جرابوں پر یہ شرائط نہیں پائی جاتیں، اس لیے ان پر مسح جائز نہیں۔ بلکہ ان جرابوں کو اُتار کر پاؤں دھونا ضروری ہے۔

مسح کی مدت اپنے وطن میں مقیم شخص کے لیے ایک دن اور ایک رات اور مسافر کے لیے 3 دن اور تین رات ہے۔ جب مدت ختم ہو جائے، اگر اس وقت وضو ہو تو صرف پاؤں دھو کر دوبارہ موزے پہنے جا سکتے ہیں۔ جن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، ان سے مسح بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر مدتِ مسح کے دوران موزہ یا جوتا ایک یا دونوں نکال لیے تو بھی مسح کا حکم باطل ہو گیا۔ اب دوبارہ نئے سرے سے وضو کے بعد موزہ پہن کر مسح کیا جا سکتا ہے۔

سوال آج کل لوگ رقم جمع کر کے کوئی ضرورت پوری کرنے کے لیے کمیٹی ڈالتے ہیں۔ کسی ایک فرد کے پاس یہ کمیٹی اکٹھی ہوتی ہے۔ بعض لوگ مقررہ تاریخ پر کمیٹی نہیں دے سکتے تو انھیں جرمانہ کیا جاتا ہے۔ کیا یہ جرمانہ لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب یہ جرمانہ شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

سوال امام نے آخری تشہد میں سجدۂ سہو کے لیے ایک طرف سلام پھیر کر سجدہ کیا۔ کیا مسبوق جس کی دو دو رکعتیں رہتی ہیں، وہ بھی سلام پھیرے گا؟ اگر غلطی سے سلام پھیر لیا تو کیا حکم ہے؟

جواب مسبوق صرف سجدے میں شریک ہوگا، سلام نہیں پھیرے گا۔ اگر سلام پھیر لیا تو نماز ہو جائے گی اور اس پر سجدہ سہو بھی نہ ہوگا۔ کیوں کہ امام کے پیچھے غلطی معاف ہے۔

سوال مسبوق کی نماز باقی تھی، مگر بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دیا۔ پھر یاد آنے پر اُٹھ کر باقی نماز پڑھ لی۔ تو کیا نماز ادا ہو گئی یا نہیں ہوئی؟

جواب بقیہ نماز پوری کر کے آخر میں سجدۂ سہو کرنا چاہیے۔ کیوں کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد امام کی متابعت ختم ہو جاتی ہے۔

مدیرِ اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔